منٹو کا تصورِ فحاشی

ڈاکٹر ضیاالحسن*

Abstract:

Aziz Ahmad and Ali Sardar Jafri, both progressive critics in their books having same title "Taraqi Pasand Adab" edمعتوب. Manto for his, according to them, fuhush short-fiction. This Glistening blame increased the popularity of Manto who was actually in system-threating writer. Contrary to his short stories, Manto seems in his explanatory articles about fahashi. His argument about his "fuhush" writings is very cheep. He says that he was not as fuhush as some classical poets wax. In this article, Zia-ul-Hassan criticizes this behaviour.

ہمارے زمانے میں جنس سمیت تمام اعلیٰ انسانی سرگرمیاں اور قدریں گناہ کا درجہ اختیار کر گئی ہیں۔ برِّصغیر میں اس باطنی تبدیلی کا آغاز انگریزوں کی آمد کے بعد ہوا۔ انگریز اپنے ساتھ جس صنعتی نظام اور اس کے زائیدہ معاشی نظام کو اپنے ساتھ لائے، اس نے یہاں کے مذہب، اقدارِ حیات، اخلاقیات سب کو آہستہ آہستہ تبدیل کر دیا اور آج ہم جس معاشرے میں زندہ ہیں، اُس میں اِس کے خلاف سوچنا بھی کفر کا درجہ اختیار کر گیا ہے۔

سرمایہ داری نظام سے قبل انسانی تہذیب میں جنس نہ شجرِ ممنوعہ تھی اور نہ اس کے ساتھ گناہ کا تصور وابستہ تھا۔ اس کے برعکس اسے ایک صحت مند انسانی عمل کا درجہ حاصل تھا جو معاشرے کے ذہنی اور اخلاقی استحکام کا باعث تھا۔ بیش تر قدیم معاشروں میں اسے مقدس حیثیت حاصل تھی۔ تمام جمالیاتی قدریں اسی قدر سے پیدا ہوئی تھیں۔ جنس کے ساتھ غلاظت، گندگی اور گناہ کا تصور جدید نظامِ زندگی کی دین ہے۔

* شعبہ اُردو، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

ادبیات اور دیگر فنونِ لطیفہ میں جنس کا اظہار دو طرح سے ہوا ہے، ایک استعارے اور علامت کی سطح پر اور دوسرا تخلیقِ حسن کی صورت میں۔ ہماری شاعری سراپا نگاری اور منظر نگاری سے بھری پڑی ہے۔ قلی قطب شاہ سے لے کر مومن تک بیانِ حسن کے ایسے ایسے نادر نمونے تخلیق ہوئے ہیں کہ جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ سب رس یا سحر البیان کا قصہ اہم نہیں ہے، طلسمِ ہوش ربا ہو یا کوئی اور داستان، اس خوبی میں اپنے کمال پر نظر آتی ہے۔ پھر بیان ایسا کہ جو اپنے مکمل تلازموں کے ساتھ ظہور کرتا ہے۔ مولانا روم کی مثنوی ہو، شیخ سعدی کی حکایتیں ہوں، قدیم ہندی شاعری یا قصے ہوں، جنس کا اظہار انھی دو صورتوں میں ہوا ہے۔ سودا کا شعر ہے:

یہ رتبہ جاہِ دنیا کا نہیں کم مال زادی سے
کہ جس پر روز و شب میں سیکڑوں چڑھتے اُترتے ہیں

پہلے یہ شعر اخلاقی تھا تو اس مال زادی پر سیکڑوں چڑھتے اُترتے تھے، اب یہ فحش ہو گیا ہے اور ہر آدمی لائن لگا کر بل کہ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے اس مال زادی کی لپک میں مبتلا ہے۔

اردو میں علی گڑھ والوں نے جنس کو گناہ بنانے کا کام آغاز کیا۔ نذیر احمد دنیا کے عظیم ادب کو اسی فحاشی کی بنیاد پر سوختنی سمجھتے ہیں۔ سعدی کی حکایات جو کبھی اخلاقیات تعلیم کرتی تھیں، انھیں سینسر کرتے ہیں۔ اختر حسین رائے پوری ''ادب اور انقلاب'' میں قدیم ہندوستانی ادب اور کلاسیکی اردو ادب پر اسی حوالے سے شرمندہ ہیں(۱) اور اسی الزام میں عزیز احمد اور علی سردار جعفری، عصمت اور منٹو کو ڈانٹتے ڈپٹتے نظر آتے ہیں۔(۲)

جدید ادب میں فحش نگاری کے جتنے الزامات اور جتنی شہرت سعادت حسن منٹو کے حصے میں آئی، اتنی خوش بختی اردو کے کسی دوسرے ادیب کو نہیں ملی، حتّٰی کہ وہ ادیب بھی جن کے ہاں فحاشی مقصود بالذات نظر آتی ہے، اس الزام کے لیے ترستے ہی رہ گئے کیوں کہ ہمارے زمانے میں فحاشی کے اتنے ذرائع اور اتنی صورتیں بہ مقدارِ وافر میسر موجود ہیں کہ یہ الزام کچھ اتنا خوش کن نہیں رہا۔ منٹو فحش نگار نہیں تھے لیکن وہ جس جرأت اور بے باکی سے غیر انسانی نظامِ معاشرت سے مبارزت طلب ہوئے، اس کا ایک ہی جواب تھا: منٹو فحش نگار ہے۔ پرانے زمانے میں کفر کے فتوے صادر ہوتے تھے، فحش نگاری نے ایک نئے فتوے کی صورت اختیار کر لی۔ اقبال کافر قرار دیے گئے، منٹو فحش نگار اور راشد کے حصے میں دونوں تمغے آئے۔ تینوں ہی نظام سے مبارزت طلب تھے۔ نظام کی محافظ مقتدرہ نے اپنی خوشہ چین ملّائیت کی مدد سے اس باغیانہ فکر کو دبانے کی کوشش کی لیکن یہ بغاوت دُگنی طاقت سے پھیلتی چلی گئی۔ اس الزام کا ایک فائدہ تو بہت ظاہر اور نمایاں تھا کہ منٹو کی ریڈر شپ اس کے زمانے میں بھی زیادہ ہو گئی اور بعد میں تو بڑھتی ہی چلی گئی۔ آج منٹو سے زیادہ پڑھا جانے والا اردو کا کوئی دوسرا ادیب نہیں ہے۔

یونس جاوید نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے حلقۂ ارباب ذوق میں لکھا ہے کہ جس دن منٹو حلقے میں اپنا افسانہ پڑھتے تھے، اس دن ہال کھچا کھچ بھر جاتا تھا اور لوگ باہر کھڑے ہو کر ان کا افسانہ سنتے تھے، یہ صورتِ حالات فحاشی کے الزام میں قائم مقدمات کے بعد کی ہے۔(۳)

منٹو جتنے بڑے افسانہ نگار یا تخلیق کار تھے، اُن کا تنقیدی شعور اس سطح پر نظر نہیں آتا۔ اپنے افسانوں میں وہ غیر انسانی سماجی نظام پر حملہ آور نظر آتے ہیں۔ ان کے رویے میں بے باکی اور جرأت ہے جب کہ تنقید میں ان کا رویہ مدافعانہ، کہیں کہیں معذرت خواہانہ اور وضاحتی ہے۔ راشد بھی ساری زندگی انتقام اور اس قبیل کی نظموں کے دفاع میں غیر ضروری تشریحات اور وضاحتیں کرتے رہے ہیں۔ منٹو کو تو ذلیل کرنے والی ہندوستانی اور پھر پاکستانی عدالتوں میں مقدمات کی پیشیاں بھی بھگتنی پڑیں، آخر آخر تو تنگ آ کر اُنھوں نے الزام قبول کر کے جرمانے کی استدعا کی کیوں کہ مقدمات کی پیروی سے وہ کم ذلت آمیز تھی۔ اس صورتِ حالات نے اُن کے اندر جھنجلاہٹ پیدا کر دی جس کا اظہار اُن کے ایسے مضامین میں صاف محسوس ہو جاتا ہے۔ جنس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ خالص انسانی مسئلہ ہے اور ہمیشہ سے انسان کا موضوع رہا ہے۔ پرانے ادیبوں نے اس موضوع پر اپنے انداز میں لکھا اور ہم اپنے انداز میں لکھ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''آج کے نئے مسائل بھی گذری ہوئی کل کے پرانے مسائل سے بنیادی طور پر مختلف نہیں۔ جو آج کی برائیاں ہیں، گذری ہوئی کل ہی نے ان کے بیج بوئے تھے۔''(۴)

آپ نے دیکھا منٹو ایک پیچیدہ سماجی مسئلے کو کتنا سادہ سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے جنس اور مختلف انسانی معاشروں اور ادوار میں اس کی صورتوں پر زیادہ غور نہیں کیا۔ ان کے خیال میں یہ مسئلہ ہمیشہ سے ایسا رہا ہے حال آں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہمارے قدیم ادب میں جنسی مسائل پر کچھ نہیں ملتا کیوں کہ ان معاشروں میں جنس ایک ترفع بخش جذبہ تھا۔ جنسی مسائل تو اُس وقت پیدا ہوئے جب جنس ممنوعہ فعل ہوئی اور اس کے ساتھ گناہ کا تصور وابستہ ہوا۔ قدیم معاشروں میں جنس کا تصور مختلف تھا، سو جنس کی طرف اُن کا رویہ بھی مختلف تھا اور ادیب کا اظہار بھی۔ دنیا کے مختلف معاشروں اور زمانوں میں تصورِ جنس میں جو جو افتراقات واشتراکات تھے، ان کو پیشِ نظر رکھ کر منٹو کو بتانا چاہیے تھا کہ ان کے زمانے میں کیا تبدیلی واقع ہوئی اور اس کی انسانی حیثیت کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں کیا مسائل پیدا ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان کے افسانوں میں یہ موضوع زیادہ عالمانہ اور ادیبانہ شان سے ظاہر ہوا ہے لیکن تنقید میں یہ اتنا ہی کمزور ہے اور منٹو کے تخلیقی مؤقف کی توثیق نہیں کرتا۔ اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں:

> ''مجھے معلوم نہیں، مجھ سے جنسی مسائل کے متعلق بار بار کیوں پوچھا جاتا ہے......شاید

اس لیے کہ لوگ مجھے ترقی پسند کہتے ہیں یا شاید اس لیے کہ میرے چند افسانے جنسی
مسائل کے متعلق ہیں، یا پھر اس لیے کہ آج کے نئے ادیبوں کو بعض حضرات جنس زدہ
قرار دے کر انھیں ادب، مذہب اور سماج سے یک قلم خارج کر دینا چاہتے ہیں......
وَجہ، کچھ بھی ہو،مَیں اپنا نقطۂ نظر بیان کیے دیتا ہوں۔"(۵)

اس مختصر اقتباس میں "مجھے معلوم نہیں" اور "وَجہ، کچھ بھی ہو،مَیں اپنا نقطۂ نظر بیان کیے دیتا ہوں" کے ٹکڑے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اس موضوع پر زیادہ غور نہیں کیا اور معذرت خواہ بھی ہیں اور وضاحتیں پیش کر رہے ہیں۔ عدالتی کارروائیوں کو بھگتنا تو اُن کی سماجی مجبوری تھی لیکن اپنے قاری اور ادبی حلقوں کو وضاحتیں پیش کرنا اُن کی مجبوری نہیں تھی۔ان وضاحتوں کا ایک ہی نقطہ ہے کہ جنسی مسائل معاشرے میں موجود ہیں، اس لیے مَیں ان پہ لکھتا ہوں لیکن یہ بات ان کے مضامین کی نسبت ان کے افسانوں میں زیادہ تخلیقی استدلال کے ساتھ آ گئی تھی۔اب اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔ادیب کا یہ کام نہیں کہ وہ ادب بھی تخلیق کرے اور اس کی تشریحات بھی مہیا کرے کہ سلطانہ کے بارے میں ایسے سوچو اور ایسے نہ سوچو۔منٹو کے افسانوں میں طوائف ایک استحصال زدہ انسان نظر آتی ہے اور ان کے افسانے ہمیں اسے انسان سمجھنے اور انسانی سلوک کرنے پر مائل کرتے ہیں۔ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا نقطۂ نظر اس کے بارے میں غیر انسانی رہا ہے اور ایک عظیم فن کار ہمیں ہماری اصل صورت دِکھا رہا ہے۔طوائف بری نہیں بل کہ ہم برے ہیں جنھوں نے اسے طوائف بنایا اور اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا،لیکن اپنے مضامین میں اس کا ذِکر بدرو، موری، بھنگی اور گندگی کا ٹوکرا کے طور پر کرتے ہیں۔

فحاشی کے ضمن میں منٹو کے نقطۂ نظر کا سب سے خراب مقام وہ ہے جہاں وہ اپنی وضاحتوں میں کلاسیکی ادب کے بعض نمونوں کی مثال پیش کر کے کہتے ہیں کہ مَیں نے جو افسانے لکھے ہیں وہ شرم ناک نہیں ہیں اور مَیں شکر کرتا ہوں کہ مَیں نے ایسی مثنویاں نہیں لکھیں جو جنس سے لذت لینا سکھاتی ہیں۔ان کے فقرے ملاحظہ فرمائیے:

"مَیں شکر کرتا ہوں کہ مَیں نے کوئی ایسی مثنوی نہیں لکھی جس کے اشعار مَیں آپ کی
خدمت میں نمونے کے طور پر پیش کرتا ہوں......شکر ہے کہ مَیں نے اپنی پیاسی اور
بھوکی خواہشاتِ نفسانی کو پرچانے کے لیے ایسے اشعار نہیں لکھے۔"(۶)

مثال کے طور پر اُنھوں نے خواجہ سید محمد میر اثر کی مثنوی "خواب و خیال" اور مومن خان مومن کی مثنوی کے اشعار پیش کیے ہیں۔آگے لکھتے ہیں:

"عورت مرد کے جنسی رشتے کے متعلق اگر اس انداز میں کچھ کہا جائے تو مَیں اسے

> معیوب سمجھوں گا، اس لیے کہ یہ ہر بالغ مرد کو معلوم ہے کہ تنہائی میں جب مرد عورت ایک بستر پر اس غرض سے لیٹتے ہیں تو اس قسم کی حیوانی حرکات کرتے ہیں لیکن وہ ایسی خوب صورت نہیں ہوتیں جیسا کہ ان اشعار میں ظاہر کی گئی ہیں۔ ان کی حیوانیت کو شاعری کے پردے میں چھپا دیا گیا ہے۔''(۷)

جنس اور محبت کے بارے میں منٹو کا یہ رویہ اور نقطۂ نظر کافی عامیانہ ہے۔ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ادبیاتِ عالم کا ایک بہت بڑا حصہ ادب سے خارج کرنا پڑے گا۔ یہ وہی مولوی نذیر احمد یانہ نقطۂ نظر ہے۔ جب مَیں نے منٹو کا یہ مضمون پڑھا تو خوف زدہ ہو گیا کہ اگر منٹو کے نقطۂ نظر کے مطابق مجھے اس ادب سے محروم ہونا پڑے تو مَیں کیسے زندہ رہوں گا۔ اس اقتباس کے آخری فقرے کا انداز الزام عاید کرنے والا ہے لیکن اس سے پتا چلتا ہے، قدیم ادب نے ایک حیوانی فعل کے جمالیاتی معنی دریافت کیے۔ حسن کی دریافت اور اظہار اس ادب کا بنیادی مسئلہ تھا اور یہی تہذیب تھی۔

آج سے دو برس قبل مَیں نے ایک یونی ورسٹی کے لیے اردو افسانے کا کورس بنایا اور منٹو کے متنازع یا فحش افسانے شامل کیے۔ ہر سمیسٹر کے اختتام پر طلبہ کے کورس فیڈ بیک میں سو فی صد طلبائے علم نے دو نقاط تواتر سے بیان کیے۔ ایک یہ کہ یہ افسانے فحش نہیں ہیں اور دوسرا یہ کہ ان افسانوں نے اُنھیں زندگی کا نیا، طاقت ور اور تخلیقی نقطۂ نظر دیا ہے۔ اُنھوں نے ان افسانوں سے زندگی کو ایک نئی نظر سے دیکھنا سیکھا ہے۔ مجھے بی۔ اے آنرز کے طلبہ کی یہ رائے منٹو کو فحش نگار قرار دینے والے نقادوں اور خود منٹو کے فحاشی کے تصور سے زیادہ بہتر محسوس ہوتی ہے۔

حواشی

۱۔ اختر حسین رائے پوری، ''ادب اور انقلاب''، نیشنل انفارمیشن اینڈ پبلی کیشنز بمبئی، ۱۹۴۸ء، ص ۵۷۔

۲۔ عزیز احمد، ''ترقی پسند ادب''، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۹۳ء، ص ۵۲-۱۴۸۔

علی سردار جعفری، ''ترقی پسند ادب''، انجمنِ ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۶۳۔

۳۔ یونس جاوید، ڈاکٹر، ''حلقۂ اربابِ ذوق: تنظیم، تحریک، نظریہ''، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۳

۴۔ امجد طفیل، ڈاکٹر (مرتب)، ''کلیاتِ منٹو''، نیریٹوز اسلام آباد، جون ۲۰۱۲ء، ص ۲۰۳۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۰۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۰۰، ۲۰۱۔

۷۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔